مغربی پاکستان کی ایک تاریخی بستی

سودھرا

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

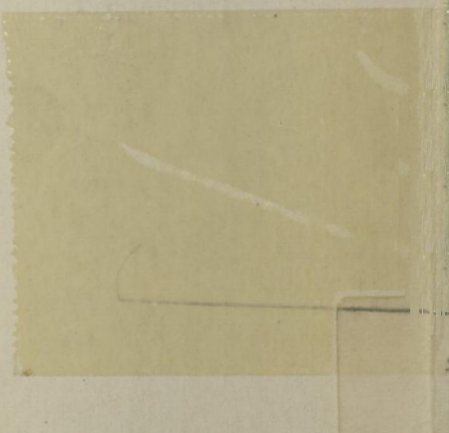

مغربی پاکستان کی ایک تاریخی بستی

سودھرہ

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

مطبوعہ از

رسالہ "اقبال"، لاہور اکتوبر ۱۹۶۴ء

کتاب خانہ نورس (کاپی بک شاپ)

اردو بازار، کبیر سٹریٹ، لاہور

۱۹۶۴ء

کتاب خانہ سردار جھنڈیر
میلسی (پاکستان)

نمبر شمار : .....

کتاب نمبر : .....

مغربی پاکستان کی ایک تاریخی بستی

سودھرہ

از

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

مطبوعہ از

رسالہ "اقبال"، لاہور اکتوبر ۱۹۶۴ء

کتاب خانہ نورس (کاپی بک شاپ)

اردو بازار، کبیر سٹریٹ، لاہور

۱۹۶۴ء

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO. 012278
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

959.9
ج 85 س

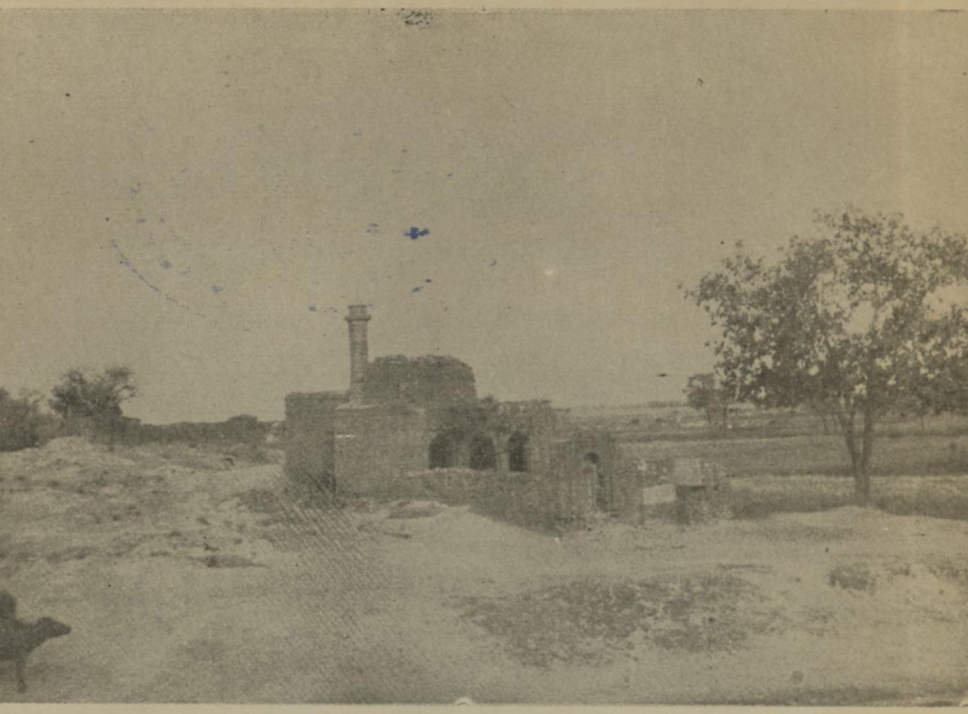

جائے قدیم مینارہ — پیر مینارہ — پرانی مسجد

نمبر ۱

مزار مستان شاہ

نمبر ۲

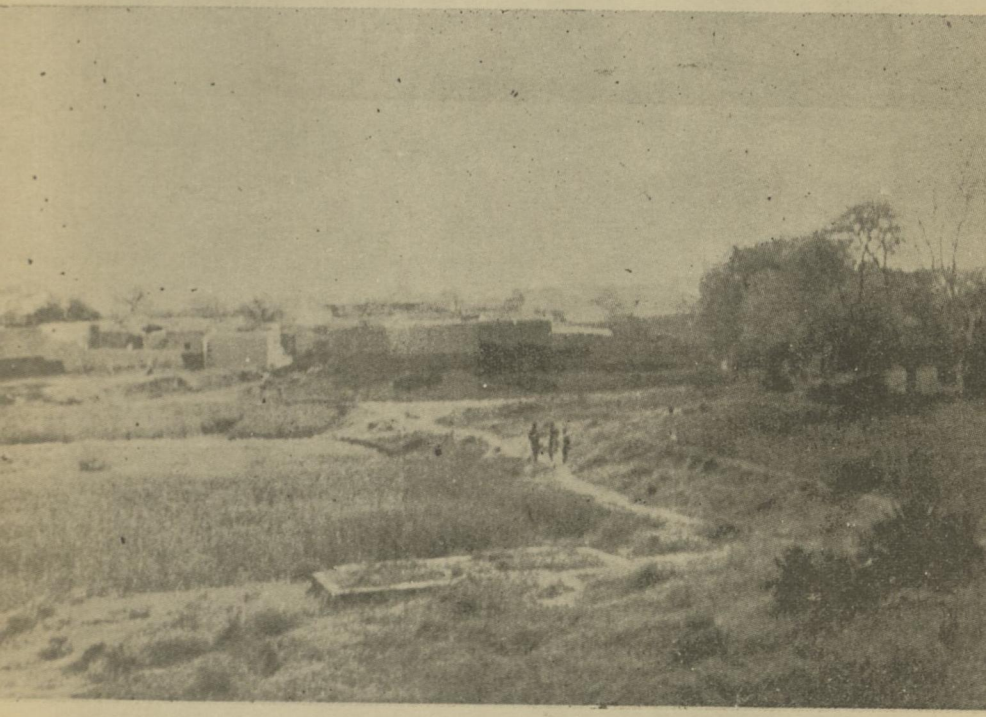

پرانا تالاب

نمبر ۳

سودھرہ

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر قریہ یا شہر میں کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ضرور ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مشہور ہوتا ہے اور لوگ اس سے اسی وجہ سے واقف ہوتے ہیں ' مگر ایسے مقامات بھی ہیں جن کے صحیح حالات بعض وجوہ سے عوام کے سامنے نہیں آئے اور مرور ایام سے وہ بالکل گمنامی میں چلے گئے ہیں - وہ مقام جو ریلوے لائن پر واقع ہیں یا وہاں تک پہنچنے کا ریل ذریعہ بنتی ہے لوگ ان کو تو کسی نہ کسی طرح ضرور جانتے ہیں لیکن وہ مقامات جہاں پہنچنے کے لیے عام سہولتیں نہیں ' خواہ وہ کبھی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے بہت اہم تھے مگر آج حالات نے ان کا ماحول بدل دیا ہے ' تو وہ مقامات آہستہ آہستہ گم نامی میں چلے گئے ہیں حتیٰ کہ آج ان کو کوئی نہیں جانتا - آخر وہ اجڑ گئے اور اُن کے قدیم آثار بھی آہستہ آہستہ مٹ گئے جن کو تاریخ محض بیان کرتی ہے - میں نے اکثر ایسے مقامات دیکھے ہیں جو کبھی سلطنتوں کے دارالخلافہ بھی تھے ' جیسا چانپانیر (گجرات مغربی ہند) جسے سلطان محمود بیگرہ نے ۱۴۸۴ میں فتح کرکے محمد آباد نام دیا تھا اور گجرات کا دارالخلافہ بنایا تھا - مانڈو کو خلجیوں نے ۱۴۳۶ میں ایک پہاڑی پر مالوہ میں آباد کرکے شادی آباد نام رکھا جہاں مشہور عشقیہ داستان "باز بہادر و روپ متی" وقوع میں آئی - میرے نزدیک "بھیڑہ" جو کبھی سلاطین غزنہ کی آماجگاہ تھا اور بابر یہیں سے فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا تھا اور اس نے اپنی "توزک" میں اسے ہندوستان کا دروازہ لکھا ہے ' مگر آج حالات اس قدر بدل گئے ہیں کہ بالکل گمنامی میں چلا گیا ہے - یہی حالت سودھرہ کے متعلق ہوئی -

جائے وقوع - اتفاق سے پنجاب کا "امپیریل گیزیٹیر" مطبوعہ ۱۹۰۸ ء میرے سامنے ہے - اس میں ضلع گوجرانوالہ کے تحت سودھرہ کے متعلق لکھا ہے:

''سوھدرا (سودھرہ) قصبہ ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیرآباد میں دریائے چناب کے بائیں کنارے پر وزیرآباد سے مشرق کی جانب ۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے - یہ مقام باقیات سلف میں سے ہے - اس نام سودھرہ سے دریائے چناب آب سودھرہ کہلاتا تھا - سلطان محمود غزنہ کے حملہ سے پیشتر یہ مقام میدان تھا اور دریا قریب ہی بہتا تھا جو میل بھر دور جلا گیا ہے - - -''[1]

گذشتہ صدی میں جب برطانوی حکومت نے ابتدا میں پنجاب میں تعلیم کی طرف توجہ دی تو ضروری کتابیں بھی اہل علم سے تصنیف و تالیف کرائیں - چنانچہ ۱۸۶۱ میں پنجاب کا ایک جغرافیہ مولوی کریم الدین مرحوم نے کپتان فلر ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدارس پنجاب کے حکم سے مرتب کیا جو اس وقت بہت بڑا کارنامہ تھا - حسن اتفاق سے اس کا دوسرا ایڈیشن (اشاعت) اس وقت میرے سامنے ہے - اس میں ضلع گوجرانوالہ کے تحت یوں لکھا ہے : ''- - - قریب وزیرآباد کے تین کوس پر قصبہ سودھرہ ہے - پرانا شہر ہے آباد کیا ہوا ایاز کا ہے جو پیارا غلام محمود غزنوی کا تھا - اس وقت کے کئی مقبرے اب تک وہاں باقی ہیں - عمارت پختہ ہے اور قبر ایاز کی لاہور کے بیچ میں درمیان پرانی ٹیکسال کے واقع ہے - - - -''[2]

ضلع گوجرانوالہ کے گیزیٹیر میں جسے انگریزی زبان میں پنجاب کے سابق گورنر اوڈوائر نے ۱۸۹۵ میں نظر ثانی کرکے طبع کیا جب کہ وہ وہاں ڈپٹی کمشنر تھے ' سودھرہ کے متعلق یوں لکھا ہے : ''سودھرہ - - - کا اصل بانی ملک ایاز غلام و محبوب سلطان محمود غزنوی تھا جس نے پنجاب کی حکومت کے وقت دریائے چناب کے کنارے یہ شہر آباد کرنا چاہا تھا - چونکہ اس کی تجویز تھی کہ اس شہر کے ایک سو دروازے ہوں اور بہت بڑا شہر ہو اسی سبب سے اس کا نام سودھرہ مشہور ہوگیا - یہاں ایک پختہ قلعہ کی بنیاد ڈالی اور فصیل و عالیشان حویلیاں تعمیر کیں ' مگر ابھی تمام آباد نہیں ہوا تھا کہ وہ لاہور کی آبادی میں مصروف ہوگیا

۱- ''امپیریل گیزیٹر پنجاب'' (انگریزی) کلکتہ ۱۹۰۸ء ' صفحہ ۱۰۸ -

۲- ''جغرافیہ پنجاب'' مطبوعہ پنجابی مطبع لاہور ۱۸۶۲ء ' صفحہ ۵۸-۶۰ -

جو راجہ انند پال کے محاصرہ کے وقت آجڑ گیا تھا ۔ اس وجہ سے اس شہر کی آبادی کی طرف اس کی توجہ نہ رہی ۔۔۔۔"[1]

سودھرہ کا تاریخ میں ذکر ۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی "طبقات ناصری" میں سلطان محمود غزنوی کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے : "مبشری درآمد و بشارت داد کہ حق تعالیٰ ترا پسر داد ۔ سبکتگین شادماں گشت و گفت : پسر را محمود نام کردم و ہم دراں سبب کہ ولادۃ او بود بتخانہ ویہند (کہ در حدود پرشاور بود) بر لب سدرہ بود شکست و او را مناقب بسیار مشہور است ۔"[2] یعنے جب مخبر نے سبکتگین کو لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا تو اس خوش کن خبر سے سبکتگین بہت مسرور ہوا اور کہا کہ میں بچے کا نام محمود تجویز کرتا ہوں اور اسی شب کہ وہ پیدا ہوا تھا بتخانہ ویہند جو حدود پشاور میں دریا سدرہ کے کنارے واقع تھا شکستہ ہو گیا ۔ اس کے مناقب بہت مشہور ہیں ۔

"طبقات ناصری" کے متذکرہ بالا اقتباس پر شارحین نے کافی حواشی لکھے ہیں ۔ ڈاکٹر ناظم کا خیال ہے کہ ویہند موجودہ ہنڈ ہے جو دریائے اٹک پر واقع ہے ۔ "پرشاور" سے مراد پشاور ہے اور "آب سدرہ" کو اکثر نے دریائے سندھ (اٹک) سے تعبیر کیا ہے جو یہاں صحیح معلوم ہوتا ہے ' مگر یہ "آب سدرہ" کے الفاظ "طبقات" میں اور دیگر کتب میں کئی بار اس طرح اور دیگر املا سے بھی آیا ہے جس سے مراد کوئی اور دریا بھی ہے جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ۔

ہمیں اسی "طبقات" میں ۶۴۴ھ کے واقعات کے تحت ملتا ہے کہ ناصرالدین محمود بن شمس الدین ایلتتمش نے بلبن کو الغ خان اعظم امیر حاجب کا عہدہ دیا اور اسی کے ہمراہ پنجاب کو مغولوں کے پے در پے حملوں سے بچانے کے لیے دھلی سے روانہ ہوا ۔ راوی عبور کرکے دریائے چناب کے کنارے جسے "طبقات" میں "لب آب سدرہ" لکھا ہے پڑاؤ کیا ۔ بادشاہ تو وہیں مقیم رہا اور بلبن افواج لے کر چناب کو عبور کرکے جبال جود میں گیا ۔ اس نے کھوکھروں کو شکست دی اور جہلم دریا کو عبور کرکے اٹک

۱۔ "گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ گیزیٹر" (انگریزی) لاہور ۱۸۹۵ ' صفحہ ۱۸۰ ۔
۲۔ "طبقات ناصری" مرتبہ عبدالحی حبیبی قندھاری ' صفحہ ۲۷۰ ۔

دریا تک پہونچا جہاں اس نے جسپال سہرا کو شکست دی مگر مغولوں نے جہلم کے دوسرے کنارے پر آ کر حملہ کر دیا۔ بلبن کمک کی کمی محسوس کرکے وہیں سے واپس ہوا۔ سلطان ناصرالدین محمود کے پاس آب سودھرہ پر واپس آ گیا جہاں سے انھوں نے دھلی کا راستہ اختیار کیا۔[1]

غرض کہ متذکرہ بالا "آب سدرہ" جو دریائے چناب کے لئے استعمال ہوا ہے دیگر ابتدائی کتب تاریخ متعلقہ سلاطین غزنہ مثلاً "تاریخ بیہقی"، "زین الاخبار گردیزی"۔ "آداب الحرب فخر مدبر" "تاج المآثر" وغیرہ میں علاوہ "طبقات ناصری" لفظ "چندراہ" آیا ہے[2] جس سے ان کی مراد دریائے چناب ہے۔ البتہ آٹھویں صدی ہجری سے تاریخی کتب میں اس املا میں فرق آنا شروع ہوتا ہے جیسا کہ "تاریخ فیروز شاہی" ضیاء برنی میں جہاں مغولوں کے حملوں کو پسپا کرنے کا ذکر ہے وہاں اسے "آب سودرہ" لکھا ہے۔[3] محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ "گلزار ابراہیمی" (۱۰۳۷ھ) میں سلطان محمود غزنوی کی متذکرہ بالا خبر ولادت کو یوں درج کیا ہے: "امیر ناصر الدین سبکتگین در ہمان سنوات بشکرانہ آں فرستادہ بتخانۂ ہندوان را بر کنار آب سودرہ بود شکست۔۔۔"[4]

"تاج المآثر" میں آتا ہے کہ جب سلطان معز الدین محمد بن سام (شہاب

۱۔ ایضاً، صفحہ ۶۱۹-۶۲۰، ۵۸۵-۵۹۰۔
"یکشنبہ غرہ ماہ ذی القعدہ سنہ اربع واربعین ستمائیۃ بر لب آب لاہور عہدہ فرمود و لشکرہا اسلام بہ نہب کرد و اطراف نندنہ فرمان داد و الغ خاں معظم خلدت دولتہ در مرتبہ امیر حاجبی بود و برسرتاں حشم نامزد شد و سلطان مبنہ و پیلان بر لب آب سدرہ مقام فرمود و الغ خاں اعظم آن لشکر ببرد۔ کوہ جود را نہب کرد و از جہلم۔۔۔ کوکراں و کفار متمرد ان مبالغی بدوزخ فرستاد و تا لب آب سدرہ بر اند و آں طرف نہب کرد و از انجا مراجعت نمود۔۔۔ مراجعت و عطف از لب آب سدرہ روز پنجشنبہ بست و پنجم ماہ ذی الحجہ ہمیں سال بود و از انجا منزل بمنزل حضرت وصول بود۔۔۔" دیکھیے صفحہ ۱۱۳۰، ترجمہ راورٹی۔

۲۔ اسے آگے لفظ "سودرہ" کی لسانیاتی کیفیت کے تحت واضح کیا گیا ہے۔

۳۔ "تاریخ فیروز شاہی" فارسی متن کلکتہ، صفحہ ۶۰۱۔

۴۔ "تاریخ فرشتہ" فارسی، لکھنؤ، صفحہ ۲۳۔

الدین غوری) کھوکھروں کو پسپا کرنے کے لیے جہلم کی طرف گیا تو اس نے امیر حاجب سراج الدین ابوبکر کی معرفت قطب الدین ایبک کو بھی اسی معرکہ کے لیے طلب کیا تو اس نے سلطان کو ملنے کے لیے دریائے سودرہ کو جو بیچ میں حائل تھا عبور کیا اور وہیں قریب اس نے دو نہایت خونخوار شیر مارے جن کی گرج سے دل دہل جاتے تھے[1] ۔ اس کے بعد وہ بادشاہ سے دریائے جہلم کے کنارے ملا اور کھوکھروں کو بہت بڑی شکست دی ۔ قطب الدین انعام و اکرام و لباس فاخرہ کے ساتھ واپس کیا گیا ۔[2] اس واقعہ کے بعد سلطان غوری کی شہادت مقام دمیک ضلع جہلم میں ہوئی ۔

سودھرہ کی سیاسی و جغرافیائی اہمیت ۔ دریائے چناب جسے ہم نے متذکرہ بالا بیانات میں "آب سودرہ" سے تعبیر کیا ہے ایک اہم مقام شمار ہوا ہے' اس لیے تاریخی اور جغرافیائی طور پر مزید وضاحت کا محتاج ہے ۔ ڈاکٹر محمد ناظم اپنی تصنیف "سلطان محمود غزنہ" میں بیان کرتے ہیں کہ سبکتگین نے اپنے دور حکومت کے سال اول یا دوم میں مقام بست اور قصدار کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا جس کے بعد اس نے اپنی توجہ ہند کی طرف منعطف کی جبکہ ملک لمغان سے لے کر دریائے چناب تک ہندوشاہیہ خاندان کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی ۔ سبکتگین نے جیپال سے مقام غزک کے قریب جو غزنہ اور لمغان کے درمیان تھا جنگ کی جس میں ہندو نہایت بہادری سے لڑے' مگر یکایک ژالہ باری نے ان میں ہیجان پیدا کر دیا جس کی وجہ سے جیپال صلح کرنے پر مجبور ہوگیا ۔ اگرچہ محمود جو اس وقت باپ کے ہمراہ تھا چاہتا تھا کہ جیپال سے جنگ جاری رہے حتیٰ کہ جیپال کو شکست ہو مگر سبکتگین صلح پر راضی ہو گیا ۔ سبکتگین کے انتقال کے بعد محمود نے ۱۰۰۶/۳۹۶ میں ملتان کی طرف

۱۔ "تاج المآثر" نسخہ برٹش میوزیم فولیو ۶۲ ب ۔
"و نزدیک آب سدرہ چہار شیر شرزہ کہ از نہیب بانگ ایشاں دل در بریدہ وکا و کردوں خوں می شد و ترک معربہ چرخ از زخم ناخن زبر ہر یک پہلو تہی می کرد و شہسوار فلک از بیم ناب مکان پیکر ایشاں سپر می افگند ۔"

۲۔ ایلیٹ و ڈاسن ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۶۸ ۔

پیش قدمی کی مگر دریائے اٹک کو عبور کرنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے پشاور کے قریب سے عبور کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں جیپال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا لڑکا انند پال برسر حکومت تھا۔ محمود نے اس سے اس کی راج دھانی سے گذرنے کی خواہش کی مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ' بلکہ اس نے داؤد' حاکم ملتان' کی مدد کے خیال سے پشاور کی طرف پیش قدمی کی تا کہ محمود دریائے اٹک سے گذرنے نہ پائے۔ سلطان محمود نے انند پال کو شکست فاش دی اور اس کا تعاقب دریائے چناب تک کیا جہاں انند پال چپکے سے سلطان سے بچ کر کشمیر کے پہاڑوں میں بھاگ نکلا۔ سلطان نے تعاقب کا خیال چھوڑ کر ملتان کی راہ لی۔ واضح رہے کہ اس وقت کی ہندوشاہیہ حکومت (جو کبھی لمغان سے لے کر دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھی) کا پایۂ سلطنت متذکرہ بالا ویہند یعنے موجودہ ہند اور اس سلطنت کی حدود کشمیر کے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ دریائے چناب کو حد قائم کرکے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔[1]

حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب جیپال برسر حکومت تھا تو لاہور کا علاقہ ایک الگ ہندو خاندان کے ماتحت تھا جس کے بادشاہ کا نام ڈاکٹر ناظم نے راجہ بھرت لکھا ہے۔ اس نے جیپال کی حکومت پر ۹۹۱ء میں اس غرض سے حملہ کیا تھا کہ نندنہ اور جہلم کو اپنی سلطنت میں شامل کر لے چنانچہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر دریائے چناب کو عبور کیا جو اس وقت دونوں حکومتوں میں حدّ فاصل تھا۔ جیپال نے اس کے مقابلہ میں اپنا لڑکا انند پال روانہ کیا جس نے بھرت کی فوجوں کو تتر بتر کر دیا اور فاتحانہ طور پر لاہور میں داخل ہوا۔ لاہور کے برگزیدہ لوگوں نے بھرت کی طرف سے سامنا کیا تو انند پال ادائے خراج کے وعدہ پر واپس ہوا۔

غرض کہ متذکرہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دریائے چناب دراصل حکومت جیپال ہندو شاہیہ کا حد فاصل تھا اور سودھرہ اس کے مشرقی کنارے پر ایک پڑاؤ کی حیثیت رکھتا تھا۔[2]

۱۔ ڈاکٹر محمد ناظم "سلطان محمود غزنہ" (انگریزی) کیمبرج ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۹ ' ۸۸ ' ۱۹۴-۱۹۵۔

۲۔ ڈاکٹر ناظم ' ایضاً۔

سودھرہ میں ہندو ست - الیگزنڈر کننگھم نے لکھا ہے[1] کہ برھمن سودھرہ کو سیوادرا یا سیودرا کہتے ہیں جب کہ جاھل عوام اسے عام طور پر سہدا راجہ سے منسوب کرتے ہیں جو سوڈیوں کا رئیس تھا - یہ دراصل مشہور ھودی یا ھدی ایک ھی راجہ ہے جو راجہ رسالو پسر سلیواھن کا مدمقابل تھا - یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ ھدی گکھر تھا جس نے راجہ سلیواھن سے جنگ کرکے اس کی لڑکی سارن کو اپنی زوجہ بنا لیا تھا - راجہ ھدی - بعد میں کوکیلا زوجہ رسالو کو اغوا کر لیا تھا جس سے تیو، گھیو اور سیو اولادیں ہوئیں جو بعد میں تیوانی، گھیبی او سیال اقوام کے سردار ہوئے - آثار سودھرہ کے تحت ہم بیان کریں گے کہ کننگھم نے یہیں سودھرہ کے قدیم کنوئیں سے گنیش کا ایک قدیم بت برآمد کیا تھا جو اس امر کی دلیل ہے کہ سودھرہ میں واقعی یہ قدیم ھندو اقوام مقیم تھیں - مگر سودھرہ کا ذکر کسی غیر اسلامی تاریخ میں نہیں ملا -

سودھرہ کی لسانیاتی کیفیت - تاریخ کے اوراق میں بعض اسماء معرفہ اشخاص اور مقامات کے نام سے ملیں گے جن کی املا مختلف طریق سے ان کی صوت کے فہم و تلفظ پر کی گئی ہے، اگرچہ مقصود بالذات ایک ھی اسم معرفہ ہوتا ہے - بعض اوقات اس سے التباس بھی واقع ہو جاتا ہے - اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مورخین کے لیے وہ اسماء عام طور پر غیرمانوس اور غیرملکی ہوتے ہیں اور ایسے اسماء آخر ایک لسانیاتی بحث بن جاتے ہیں - چنانچہ یہی حال "سودرہ" کا ہے جس کی املا عام طور پر "سوھدرہ" یا "سودھرا" یا "سدراہ" یا "سدھورا" یا "سداھرا" کی جاتی ہے - اس ضمن میں مشہور پروفیسر شاہ پور شاہ ھرمزجی ھوڈی والا لکھتے ہیں: "زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دریائے راوی کو "آب لاھور" کہا جاتا ہے اسی طرح دریائے چناب کو "آب سودرہ" لکھتے ہیں"-[2] یہ امر قابل بحث ہے کہ شہر کو دریا کے کنارے آباد کیا گیا ہے اور اسے دریا

۱- رپورٹ پنجاب میں ایک سفر ۱۸۷۸-۱۸۷۹ از الیگزنڈر کننگھم کلکتہ ۱۸۸۲ صفحہ ۱۴/۴۴-۴۳ -

۲- ایلیٹ و ڈاسن، جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ و حواشی از ھوڈی والا بر ایلیٹ و ڈاسن صفحہ ۱۶۵، بمبئی ۱۹۳۹ -

کا نام دے دیا گیا ہے اگرچہ دریائے چناب کا قدیم ہندو نام چندر بھاگا تھا - ابوالفضل نے صوبہ لاہور کے تحت "آئین اکبری" میں یوں لکھا ہے : "اس دریا کا پرانا نام چندر بھاگا ہے - کوہ کھٹوار کے دامن سے دو چشمے پھوٹتے ہیں - ان میں سے ایک کا نام چندر ہے اور دوسرے کا نام بھاگا ہے - کھٹوار کے قریب آ کر دونوں چشمے مل گئے ہیں اور وہاں سے ایک دریا بن گیا ہے جو چندر بھاگا کے نام سے مشہور تھا - یہ دریا بہلول پور ' سودھرہ اور ہزارہ کو سیراب کرتا ہے"-1

مورخین عہد غزنہ نے دریائے چناب کا تعین لفظ "چندراہ" سے کیا ہے-2 "تاریخ یمینی" میں ' جہاں متھرا ' قنوج اور اطراف کشمیر کی فتح کے ضمن میں سلطان محمود غزنوی کا ذکر ہے دریا سیحوں (اٹک) ' جہلم اور اس کے بعد چناب کو عبور کرنے کا ذکر ہے جسے لفظ "چندراہ" سے تعبیر کیا گیا ہے - اسی طرح "تاریخ بیہقی" میں جہاں احمد نیالتگین کا ذکر آیا ہے کہ لوگ سلطان کے فرمان کے بغیر چناب سے گذر کر لشکر لاہور میں شامل ہوگئے ' وہاں لفظ چندراہ آیا ہے اور یہی البیرونی نے "کتاب الہند" میں لکھا ہے - چنانچہ متذکرہ بالا سطور میں اصول لسان سنسکرت کی رُو سے پروفیسر ہوڈی والا نے نتیجہ نکالا ہے کہ عام طور پر حرف "چ" کو "س" یا "ش" سے تبدیل کر دیتے ہیں جس سے چندراہ خود بخود سندراہ یا سوندرا اور آخر میں سودرہ ہوگیا -

سودھرہ سلطنت غزنہ میں - ہم ذکر کر چکے ہیں کہ لوگوں میں یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ سودھرہ ملک ایاز نے جو سلطان محمود غزنوی کا محبوب تھا آباد کیا تھا - "تاریخ سلاطین غزنہ" میں ملک ایاز ایک اہم

۱- "آئین اکبری" فارسی متن کلکتہ ' صفحہ ۳۲۰ -
"چناب نام پیشین چندر بھاگا (بفتح جیم فارسی و نون حقی و فتح وال و سکون را و با دھای حقی و الف کاف فارسی و الف) فراز کوہ کہتوار دوچشمہ خوش گوار برزند - یکے را چندر دوم را بھاگا خواند - و نزد کہتوار باہم آمیختہ بداں نام زبان زد گردد و بر بہلول پور و سودھرہ و ہزارہ گذارہ کند - - - - "

۲- "تاریخ یمینی" لاہور ۱۳۰۰ ' صفحہ ۵۰۳ ؛ "تاریخ بیہقی" طہران صفحہ ' ۲۷۰ ؛ ہوڈی والا ' ایضاً -

شخصیت شمار کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے شعراء و فضلاء کے نزدیک ایک استعارہ بن چکا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کی تاریخی حیثیت کو بھی واضح کر دیا جائے جبکہ یہ بھی تاریخی طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد غزنہ میں لاہور کا پہلا حاکم تھا۔ میں نے آج سے کئی سال پیشتر ایک مضمون بعنوان "ہندوستان کا پہلا مسلمان حکمران ملک ایاز" لکھا تھا جس میں "تاریخ بیہقی" کے حوالہ سے درج تھا کہ ملک ایاز کو محمود کے دربار میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ ۳۰ ذیقعدہ ۴۳۷ھ کو بروز ہفتہ امیر مجدود بن مسعود بن سلطان محمود کو صوبہ لاہور کی طرف بھیجا گیا۔1 ملک ایاز مجدود کو ہمراہ لے کر اتالیق کی حیثیت سے سیدھا لاہور آیا کیونکہ مجدود ابھی بچہ ہی تھا۔ مجدود نے سلطنت کے امور کو ایاز کے حوالے کر دیا، گویا صحیح معنوں میں ایاز لاہور شہر کا ہی نہیں بلکہ سلطنت غزنہ کے تمام مفتوحہ شمالی علاقہ کا حاکم تھا۔ یہ بھی وضاحت سے ملتا ہے کہ مجدود نے ایاز کی مدد سے ہانسی اور تھانیسر تک کا تمام علاقہ قبضہ میں لے لیا تھا یعنے تھانیسر تک تمام سلطنت غزنہ ہی شمار ہوتی تھی جس کا باقاعدہ حاکم ملک ایاز تھا۔ اس نے اسلامی دستور کی بنا رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ضرورت سمجھتے ہوئے ان تمام مقامات کا جو کسی قدر اہمیت رکھتے تھے پورا پورا جائزہ لیا اور ان کو دستور کے تحت مستحکم کیا، مثلاً سودرہ جو لاہور مرکز حکومت کے ماتحت ضلع یا تحصیل کی حیثیت رکھتا تھا، جیسا کہ "آئین اکبری" میں اسے لاہور کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ دریائے چناب کے کنارے افواج کے ٹھہرنے کا ایک بہت بڑا پڑاؤ سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اس لیے اگر مورخین نے یا روایت کرنے والوں نے لکھ دیا ہے کہ اسے ایاز نے آباد کیا تھا تو اصولاً ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ یہ روایت آج بھی سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سودھرہ کو بعض شعراء اور مورخین جانتے تھے جس وجہ سے ان کے کلام میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اگر اس لفظ کی املا غیر ملکی لفظ ہونے

۱۔ "تاریخ بیہقی" صفحہ ۱، ۸۲، ۲۶۳؛ روزنامہ "آفاق" لاہور، اول پرچہ۔

کی وجہ سے مختلف طریق پر کی گئی ہے تو ایک طرح بذات خود بین ثبوت ہے کہ یہ لفظ ان کے لیے ایک معمہ تھا۔

مولانا عبدالحی حبیبی نے "تعلیقات[1] طبقات ناصری" میں سودھرہ کی کئی ایک مختلف املا میں ایک "سداھرا" بھی پیش کی ہے جسے "لغت فرس" کے مصنف ملا اسدی طوسی (متوفی ۴۳۲ھ) نے اپنی لغات میں ایک باغ کا نام لکھ کر شاعر حقوری کا ایک شعر بطور سند پیش کیا ہے[2] اور اس باغ کا جانے وقوع لاھور بیان کیا ہے۔ شعر:

ای سرو کشمیری سوئے باغ سداھرا
ھرگز دمی نیابی و یک روز نگذری

یہ ایک متعبر علمی شہادت ہے کہ عہد غزنہ میں اس طرح ایک باغ کا نام ایرانیوں میں مشہور تھا جو لاھور میں تھا۔ ادھر ھم یہ بھی واضح کر چکے ھیں کہ لاھور کی دستوری حدود بحیثیت صوبہ دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھیں جو آخر اکبر کے عہد میں آ کر متعین ہو جاتی ھیں جیسا کہ "آئین اکبری" کے مطالعہ سے واضح ہے۔ سدھرا میرے نزدیک لفظ سودھرہ کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور یہی مراد ہے۔ اس کا ایک اور یہ بھی ثبوت ہے کہ کشمیر کو جانے کے لیے اس زمانہ میں سودھرہ ایک طرح ایک پڑاؤ تھا اور دونوں مقامات کے تعلقات تھے۔ چونکہ یہ حصہ صوبہ لاھور میں تھا اس لیے صاحب "لغت فرس" نے اسے بجا طور پر لاھور میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح "تاریخ بیہقی" میں ایک مقام "باغ صد ھزارہ" کا ذکر آیا ہے۔[3]

سودھرہ متاخر زمانہ سے آج تک۔ عہد اکبری میں ملک کی حد بندی اور جغرافیائی حدود کا پوری طرح جائزہ لیا گیا جسے "آئین اکبری" میں درج کیا گیا ہے جس کے کچھ حوالے اوپر درج کیے جا چکے ھیں۔ چنانچہ "آئین اکبری" میں سودھرہ کا ذکر صوبہ لاھور کے تحت یوں ملتا ہے:[4]

۱۔ "طبقات" مرتبہ حبیبی، تعلیقات صفحہ ۷۹۲-۷۹۳۔
۲۔ "لغت فرس" مرتبہ عباس اقبال، مطبوعہ طہران، صفحہ ۱۷۔
۳۔ "تاریخ بیہقی" صفحہ ۵۰۰۔
۴۔ "آئین اکبری" صفحہ ۵۴۵۔

"سودھرہ بر کنار دریای چناب واقع شد۔ یک مینار عالی از خشت پختہ اینجا است . . ." یعنے سودھرہ دریائے چناب کے کنارے واقع ہے اور یہاں ایک خشتی بلند مینار ہے ۔ یہ مینار دراصل دریا کے کنارے ایک اہم تاریخی نشان تھا جو ایک طرح دور سے پڑاؤ ظاہر کرتا تھا یا یوں کہیے کہ بادشاہوں کے ٹھہرنے کا یہ ایک اہم مقام تھا ۔ چنانچہ جہانگیر نے اپنی "توزک" میں لکھا ہے کہ یکشنبہ سوم رجب ۱۰۳۶ کو جلوس کے بائسیویں سال جشن نوروز برلب آب چناب منایا گیا ۔[1] دراصل یہ جشن سودھرہ میں منایا گیا تھا اور یہیں سے جہانگیر گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا کشمیر میں آیا مگر جہانگیر کے ابتدائی عہد کا مشہور واقعہ اس کے لڑکے سلطان خسرو کی بغاوت ہے جسے اس نے خود اپنی توزک میں نہایت وضاحت سے اپنے عہد کے سال اول کے واقعات کے تحت لکھا ہے :[2]

"جس روز افواج قاہرہ خسرو کے تعاقب کے لیے تعین کی گئیں پندرہ ہزار روپیہ مہابت خاں کو دیے گئے اور بیس ہزار روپیہ کی رقم احدیاں کو دی گئی ۔ اس کے علاوہ دس ہزار روپیہ افواج کے ہمراہ ارسال کیے گئے تاکہ وہ راہ میں اگر کوئ ضرورت پڑ جائے تو دے سکیں ۔ میرا اپنا قیام بروز شنبہ ۲۸ تاریخ موضع جیپال پر تھا جو لاہور سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے ۔ اسی روز خسرو مع چند ہمراہیوں کے لب دریائے چناب آیا ۔ اس امر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہزیمت کے بعد ان لوگوں کی رائے جو جنگ سے اس کے ساتھ بچ نکلے تھے مختلف ہو گئی تھی ۔ افغان اور ہندی جو اس کے ساتھی تھے خواہش مند تھے کہ ہندوستان جا کر علم بغاوت بلند کریں ۔ حسین بیگ جس کا اہل و عیال اور ساز و سامان کابل کے راستہ پر تھے کابل جانا چاہتا تھا ۔ آخرکار جب اس نے حسین بیگ کی نصیحت پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور افغان و ہندی اس سے جدا ہو گئے تو چناب پر پہنچ کر اس نے موضع شاہ پور جو گذرگاہ میں ہے عبور کرنا چاہا ۔ یہاں وہ کوئی کشتی نہ حاصل کر سکا تو وہ گذرگاہ سودھرہ پر پہنچا جہاں انھوں نے ایک کشتی بغیر کسی ملاح کے پانی اور ایک اور کشتی وہاں ملی جو

۱۔ "توزک جہانگیری" مطبوعہ لکھنؤ ، فارسی متن صفحہ ۳۳۲ ۔
۲۔ ایضاً صفحہ ۳۲-۳۳ ۔

بھوسہ اور لکڑی سے پُر تھی - خسرو کی ہزیمت سے پیشتر تمام جاگیرداروں کو راہ داراں و گذر بانان کو ایک حکم کے ذریعہ صوبہ پنجاب میں متنبہ کر دیا گیا تھا - اس بنا پر تمام گذرگاہیں باقاعدہ تحفظ میں تھیں - حسین بیگ نے چاہا کہ تمام ملاح ان میں سے ایک کشتی میں بھوسہ اور لکڑی بھر دیں اور اسے ان میں ڈال کر اسی طرح وہ خسرو کو عبور کرا دے - عین اسی وقت کیلن داماد کمال چودھری سودھرہ آیا اور اس نے دیکھا کہ ایک جماعت آدمیوں کی اسی شب دریا کو عبور کر رہی ہے تو اس نے ملاحوں سے بہ آواز بلند فریاد کی کہ یہ جہانگیر کے حکم کے خلاف ہے کہ کوئی غیر معروف شخص رات کے وقت دریا کو عبور کرے - اس شور کی بدولت کچھ آدمیوں کی تعداد جو اس مقام پر تھی جمع ہوگئی - داماد کمال نے لکڑی کو کاٹا جس سے وہ کشتی کو حرکت دیتے تھے جسے ہندی زبان میں "بلی" کہتے ہیں - اسے ملاحوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کشتی کو سرگردان کر دیا - اگرچہ انھوں نے روپیہ بطور رشوت پیش کیا مگر کسی ملاح نے قبول کرنے کی جرات نہیں کی - اس موقع پر ابوالقاسم خاں نمکین اور خواجہ خضر خاں کام آئے جو خسرو کو پکڑ کر ہاتھی پر سوار کرکے لاہور مرزا کامران کے باغ میں لے آئے" -[1] یہ عہد جہانگیر کا ایک بہت اہم واقعہ ہے جو لب دریائے چناب بمقام سودھرہ وقوع پذیر ہوا -

شاہجہان کے عہد میں سودھرہ کی تاریخ و آثار میں بہت بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ اس نے اس کو اپنے دربار کے امیر کبیر امیرالامرا علی مردان خان کو بطور جاگیر عطا کیا[2] اور اس نے یہاں ایک نیا شہر اپنے لڑکے ابراہیم خاں کے نام پر "ابراہیم آباد" آباد کیا جس میں اس نے ایک وسیع باغ لاہور کے باغ شالامار کے مقابلہ میں بنایا اور یہاں حویلیاں بھی تعمیر کیں جن کی عمارت پر اس نے چھ لاکھ روپیہ خرچ کیا اور علی مردان خاں باغ کو سیراب کرنے کے لیے نالہ طوی سے کاٹ کر ایک نہر لایا -

---

۱- توزک ایضاً و ذخیرۃ الخواتین ' کراچی ۱۹۶۱ صفحہ ۱۳۴ -

۲- "مآثرالامرا" فارسی متن مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ ۲۹۵-۳۰۱ ؛ جادو ناتھ سرکار "انڈیا" کلکتہ ۱۹۰۲ صفحہ ۹۸ و ۱۲۸ -

اس چیز کا بھی ذکر ہے کہ علی مردان خان کو دو ہزار قصبات کا مالیہ عنایت کیا گیا تاکہ وہ شہر سودھرہ اور باغ کو عمدگی سے سیراب و آباد کر سکے۔ شاہ نواز مصنف مآثر الامرا نے ابراہیم خان خلف علی مردان خان کے بحث لکھا ہے کہ ابراہیم اپنے اخیر ایام میں ابراہیم آباد (سودھرہ) گیا جو لاہور سے تیس کوس ہے جسے وہ اپنا وطن خیال کرتا تھا۔ اس کے چند ماہ بعد وہ وہیں فوت ہو گیا یعنی اس کا مزار وہیں ہے مگر آج اس کا کچھ پتہ نہیں۔ نواب ابراہیم خان کشمیر میں بھی کافی عرصہ بحیثیت حاکم اعلیٰ رہا اور یہ وہی نواب ابراہیم خان ہے جس کے آئینہ خانہ کی شان میں شاعر جویای تبریزی نے تعریف کی جو اس نے کشمیر میں بنوایا تھا:[1]

این آئینہ خانہ از وفور لمعان وزصافی و روشنی بود چشم جہان

یہ مقام ابراہیم کے نام سے مشہور رہا اور مال کے کاغذات میں بھی "ابراہیم آباد سودھرہ" کے نام سے درج ہوتا رہا۔ حسن اتفاق سے فقہ کی مشہور کتاب "کنزالدقائق" کا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا ترقیمہ ملاحظہ ہو: "۔۔۔ والحمدللہ رب العلمین بندہ اضعف احقرالعباد فقیر حقیر محمد علی ابراہیم آبادی المعروف بسودھرہ در موضع سانتل عمل عملہ پرگنہ گجرات۔ در عہد بادشاہ شاہنشاہ احمد شاہ در درانی سنہ جلوس معلی مطابق ۱۱۸۲ھ بتاریخ بیست و چہارم شہر شوال ۔۔۔۔"[2]

سلطنت مغلیہ کے زوال پر سکھوں نے اس قصبہ کو کئی بار لوٹا۔ گجرات کے بھنگی صاحب سنگھ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۷۹۰ میں مہان سنگھ سکر چکیہ نے اس قصبہ پر کئی بار یورش کی مگر ناکامیاب رہا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ستارہ چمکا تو اس نے صاحب

۱۔ اورینٹل کالج میگزین، لاہور اگست ۱۹۵۴ صفحہ ۲۵۔ احوال و آثار جویا تبریزی، از ڈاکٹر محمد باقر۔ مگر، ضمون نگار یہ تعین نہیں کر سکا کہ یہ نواب اہم خاں علی مردان خاں کا لڑکا تھا اور اسی کے نام پر ابراہیم آباد تھا جس سے مزید وضاحت لازمی تھی۔

۲۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مخطوطہ نمبر ۳۸۹۵۔ واقعات درانی صفحہ ۴۱ و ۴۷ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۲ھ میں بھی دریا چناب کو گذر سودھرہ لکھا ہے۔

سنگھ بھنگی کی ریاست سودھرہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس قصبہ میں عام طور پر قوم ارائیں، ککے زئی اور چوپٹرہ گوت کے کھتری زیادہ آباد رہے، اور آج یہ قصبہ اگرچہ زیادہ آباد ہے مگر کوئی زیادہ ترقی نہیں کی۔ البتہ اس وقت وہاں ایک ہائی سکول ہے جو قبل پاکستان ایک مڈل سکول تھا۔

سودھرہ کے آثار قدیمہ۔ راقم نے سودھرہ کی دو مرتبہ سیر کی ہے۔ اول ۱۹۲۸ میں جس کے بعد اس کے تاریخی حالات میں دلچسپی پیدا ہوئی اور پھر ۲۳ مارچ ۱۹۶۲ کو جب اس کے مندرجہ بالا تاریخی حالات کا مقامی طور پر تلاش و استفسار کا موقع ملا، مگر معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اور نہ کسی نے مدد کی، اگرچہ ابھی تک کچھ گھر قدیم مسلمان خاندانوں کے ہیں۔ مقامی لوگ یہ بیان کر دیتے ہیں کہ یہ بہت قدیم بستی ہے اور زیادہ تر کھنڈرات پڑے ہیں۔ ویسے گاؤں بذات خود عام سڑک سے الگ ٹیلے پر آباد معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مثلاً پاک پٹن یا دیپال پور، اگرچہ ٹیلا اتنا بلند نہیں ہے۔ ہاں یہ گمان ضرور ہوتا ہے کہ اگر کھدائی کی جائے تو کچھ نہ کچھ مفید آثار و نشان ضرور میسر آ سکیں جیسا کہ عام طور پر ایسے مقامات پر ہوتا ہے۔ چونکہ یہ دریائے چناب کے کنارے آباد تھا جو اب وہاں سے دور ہٹ گیا ہے اس وجہ سے بھی بطور پتن یہ مقام یا شہر کسی قدر قدیم زمانے سے قدرتی طور پر بلندی پر واقع تھا۔

مینار۔ انگریزوں نے ۱۸۴۹ میں پنجاب پر قبضہ کیا۔ اس کے فوراً بعد الیگزنڈر کننگھم نے یعنی آج سے قریب ایک سو سال پیشتر سودھرہ کے قدیم آثاروں کا بطور ماہر اثریات معائنہ کیا[1] جبکہ اس سے کچھ عرصہ پیشتر متذکرہ بالا مینار جسے ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں بیان کیا ہے ابھی موجود تھا۔ ۱۸۶۴ میں اس کا باقی حصہ بھی گر پڑا تھا، جب کہ ایک غریب عورت اس کے نیچے آ کر ہلاک ہوگئی تھی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ۱۸۶۸-۱۸۶۹ میں اس مینار کی گری پڑی اینٹوں کا ایک ڈھیر ایک سو روپیہ میں نیلام ہوا جسے ایک شخص ذوالفقار نامی

۱- کننگھم رپورٹ مندرجہ بالا، ایضاً صفحات ۴۳-۴۴۔

مقامی نیاریہ نے خرید کیا جن نے سودھرہ میں اسی مسالہ سے ایک عالیشان مکان تعمیر کیا۔ کننگھم بیان کرتا ہے کہ میں نے اس گھر کو دیکھا ہے۔ اس کی اینٹیں پیمائش میں گیارہ انچ مربع اور قریب دو انچ موٹی تھیں۔ اس مینار کی بنیاد پانی کی تہ تک کھودی گئی تھی۔ اس پانی کی تہ سے گنیش کا ایک بت جو اینٹ کی طرح پکایا ہوا تھا میسر آیا تھا، جسے وزیرآباد کے تحصیل دار کے پاس ارسال کر دیا جس نے اسے وہاں ایک مندر میں محفوظ کر دیا تھا۔

مینار ظاہرہ طور پر مثمن شکل کا تھا مگر وہ مربع سطح پر قائم تھا۔ کننگھم نے جب خود اس مقام کو دیکھا تو مقامی لوگوں نے اسے مینار کی جگہ دکھائی تھی جسے آج بھی مقامی لوگ "پیر مینارہ" کہتے ہیں جسے میں نے بھی دیکھا ہے، مگر کننگھم کے معائنہ کے وقت یہ جگہ کسی قدیم آثار کی بنیاد کو واضح کرتی تھی کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے کچھ عرصہ پیشتر وہاں سے اینٹیں نکال لی تھیں۔ مینار کی مربع سطح ۳۲ فٹ تھی اور مثمن مینار ۲۴-۲۵ فٹ تھا، جس کی دیوار چار فٹ موٹی تھی۔ لوگ اس کی بلندی پچاس گز یا ساٹھ ہاتھ بیان کرتے تھے یعنی قریب ایک سو فٹ۔ اس کے اندر ایک گول پیچ دار سیڑھی تھی جو چوٹی تک جاتی تھی۔ کننگھم بیان کرتا ہے کہ اغلب ہے وہ ایک مئذنہ یا مینار اذان تھا تاکہ مؤذن اس پر چڑھ کر اذان دے سکے۔ یہ جامع مسجد سے وابستہ تھا۔ اس کی پانچ منزلیں تھیں اور اس کے پہلوؤں میں معمولی سے روشن دان بھی تھے جس پر جالیاں لگی ہوئی تھیں، اور ہر جالی چار اینٹوں سے بنائی گئی تھی جو $9\frac{1}{2}$ انچ مربع تھیں اور دو انچ موٹی تھیں۔ کننگھم نے ان ہی سے ایک جالی کو حاصل کرکے معائنہ کیا جو نہایت نازک مگر خوشنما مہندسی گرہوں سے کاٹی گئی تھی۔ راقم نے اس مقام کا ایک فوٹو بھی لیا جسے یہاں شائع کیا جاتا ہے (شکل نمبر ۱)۔ اسے ہنوز پیر مینارہ کہتے ہیں اور بعض لوگ اسے آج بھی ایار کی تعمیر تصور کرتے ہیں۔ تصویر سے واضح ہے کہ یہاں محض کھنڈر ہیں اور یہ سودھرہ کے مغربی شمالی حصہ میں واقع ہے۔ یہاں سے رہائشی مکانات بھی فاصلہ پر ہیں، اور اسی حصہ کو محلہ پیر مینارہ

بھی کہتے ہیں۔

مزار مستان شاہ۔ پیر مینارہ سے ذرا آگے مغرب کی جانب مستان شاہ کا مزار ہے جس کا ایک عکس یہاں شائع کیا جا رہا ہے (شکل نمبر ۲)۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنوایا تھا۔ اس روایت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ مہان سنگھ والد رنجیت سنگھ کی دو بیویاں تھیں۔ بڑی سے تو رنجیت سنگھ تھا، وہ مر چکی تھی۔ چھوٹی رانی اپنے ایک پانچ سالہ بچے کو ہمراہ لے کر مجذوب مستان شاہ کے پاس سودھرہ میں آئی کہ دعا کرو میرا لڑکا راجہ بن جائے، مگر رنجیت سنگھ بھی ہمراہ تھا جو دور بیٹھا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ فقیر نے ذرا دیکھ کر گھورا۔ اس نے رنجیت سنگھ کی طرف دیکھ کر رانی سے کہا کہ تمہارا لڑکا تو راجہ نہیں ہوگا البتہ وہ کانا ضرور راجہ بن جائے گا۔ رانی تلملا اٹھی۔ آخر رنجیت سنگھ راجہ بن گیا۔ مستان شاہ کے انتقال کے بعد وہ راجہ ہونے پر سودھرہ آیا اور مستان شاہ کی قبر پر مقبرہ تعمیر کرایا، جو آج تک موجود ہے۔ یہ عمارت عجیب و غریب طرز کی ہے۔ سکھوں کی طوائف الملوکی کے زمانہ میں سودھرہ پر دیوان رتنو مل نے قبضہ کیا۔ ۱۸۴۷ میں یہاں سکھوں کی ایک جنگ ہوئی جس میں انگریز کامیاب ہوئے۔ ۱۸۴۹ سے یہ علاقہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔

قدیم تالاب۔ ہم نے دوران قیام سودھرہ دور دور تک قدیم آثار تلاش کیے مگر کچھ نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً دریائے چناب کے سیلاب نے ان کو مٹا دیا۔ میری خواہش تھی کہ متذکرہ بالا ابراہیم آباد کے باغات اور حویلیاں تلاش کی جائیں۔ ہمیں سودھرہ کے جنوب کی طرف گاؤں سے ایک فرلانگ پر ایک قدیم تالاب کے آثار ملے جس کی ایک فوٹو یہاں شائع کی جاتی ہے (شکل نمبر ۳)۔ شاید یہ ابراہیم آباد کا حصہ ہے۔

یہاں اس تالاب کے قریب ہی ادھر مشرق کی طرف گاؤں کے باہر کھیتوں میں دو قدیم عجیب و غریب بناوٹ کے ہندو مندر بے آباد پڑے ہیں، جن پر نوکدار مخروطی گنبد بھی ہیں۔ اگرچہ یہ کوئی پرانے نہیں ہیں مگر یہ کسی قدیم ایسی عمارت کی نقل ضرور ہیں، اور ان کو دیکھ کر عہد سلجوق کے بعض قدیم مقبرے یاد آ جاتے ہیں جیسا کہ گنبد قابوس وغیرہ۔

قدیم مسجد ۔ مقبرہ مستان شاہ متذکرہ بالا سے جب ہم واپس ہوئے تو گاؤں کے شمال مغرب کی جانب ایک مسجد خشتی مکمل مینار دار موجود ہے اگرچہ زیادہ پرانی نہیں ہے اور نہ اتنی بڑی ہے، مگر قابل ذکر اس لیے ہے کہ اس کا طرز تعمیر ضرور دلکش ہے۔ اس کا زمانہ متعین کرنا مشکل ہے۔ اس کا بھی ایک فوٹو یہاں شائع کیا جاتا ہے (شکل نمبر ۱)۔

نتیجہ ۔ کسی قدیم بستی کو بیان کرنے کے لیے اس کے کئی پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے مندرجہ بالا سطور میں مختلف پہلوؤں سے سودھرہ کے حالات کا جائزہ مختصر طور پر لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ واقعی ایک قدیم بستی تھی اور دریائے چناب کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اسے خاصی جنگی اہمیت رہی۔ ہندو شاہیہ سلطنتوں میں بہ حد فاصل بھی تھا اور ''آئین اکبری'' کے بیان کے مطابق جو یہاں خشتی منارہ تھا وہ میرے خیال میں عہد غزنہ سے تعلق رکھتا تھا ممکن ہے مینار غزنہ کے نقشہ پر ہو۔ اسی وجہ سے کننگھم نے ذرا تفصیل سے اسے ان نشانوں کو مد نظر رکھ کر بیان کیا ہے جو اسے بطور شہادت میسر آئیں۔ سب سے بڑی اہمیت اس مقام کی یہ ہے کہ ایک طرح کشمیر کے راستہ پر تھا اور اسی وجہ سے علی مردان خاں نے اسے حاصل کر کے از سر نو اپنے لڑکے ابراہیم کے نام پر آباد کر کے شالا مار باغ کے مقابلہ پر ایک باغ لگایا۔ درحقیقت عہد غزنہ سے ہی یہاں باغ تھا اور اس وقت اس مقام کا نام بھی باغ کے نام پر سدا ہرا تھا جیسا کہ حقوری شاعر نے بیان کیا ہے۔[1]

محمد عبداللہ چغتائی

OOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO.
MASO ★ MAILSI ★

۱۔ افسوس ہے کہ بعض مجبوریوں کے باعث چند اہم تصاویر شائع نہ ہو سکیں۔

چغتائی

[ام جھ رل]
08 MAR 2021